بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دعا سے پہلے ''سبحان ربی الاعلی الوہاب'' پڑھنا

(۱) دنیا کے تمام کاروبار اعتبار پر چلتے ہیں۔اسی طرح علم حدیث کا دارومدار بھی اعتبار پر ہے۔کسی بھی حدیث کی تصحیح وتضعیف کے لئے ہم کو اہل فن یعنی محدثین کرامؒ پر اعتبار کرنا ہوتا ہے۔کیونکہ ہم ہر ہر حدیث کی بذات خود تحقیق نہیں کر سکتے۔یہ بالکل ناممکن ہے۔ اگر ہم اہل فن پر اعتبار نہیں کریں گے تو اس سے بڑی مشکلات پیدا ہوں گی۔مثال کے طور پر اہل فن نے کہا کہ صحیح بخاری وصحیح مسلم کی تمام احادیث صحیح ہیں تو ہم نے ان کی اس بات کو تسلیم کیا۔اگر کوئی شخص اس بارے میں اہل فن کی گواہی پر اعتبار نہیں کرتا تو پھر اس کو صحیح بخاری وصحیح مسلم کی ہر ہر حدیث کی خود تحقیق کرنی پڑے گی۔یہ بات اول تو تحصیل حاصل ہوگی جس کا کوئی فائدہ نہیں۔دوم یہ تضییع اوقات بھی ہوگی اور سوم اس سے تحقیق کا عمل آگے نہیں بڑھ پائے گا بلکہ ایک ہی جگہ اٹک کر رہ جائے گا۔کیونکہ ہر ہر شخص اپنی اپنی جگہ ایک ہی تحقیق میں مصروف ہوگا۔

(۲) لہٰذا اہل فن پر اعتبار ضروری اور ناگزیر ہے۔مثلاً اگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یا دیگر محدثین کسی راوی کو ثقہ کہتے ہیں ہم مان لیتے ہیں۔وہ اگر کسی حدیث کو ضعیف کہتے ہیں ہم مان لیتے ہیں۔یہ ہمارا ان پر اعتبار ہے۔اگر ہم ان پر اعتبار نہ کریں گے تو علم حدیث ہی ختم ہو کر رہ جائے گا۔

(۳) اب ہم اس حدیث کی طرف آتے ہیں جس میں حضرت سلمہ بن اکوعؓ فرماتے ہیں ''ما سمعت النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم یستفتح دعاء الا استفتحہ بسبحان ربی الاعلی العلی الوھاب رواہ احمد و الحاکم و ابن ابی شیبۃ و الطبرانی''۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی دعا شروع کرتے ہوئے نہیں سنا مگر یہ کہ آپؐ اسے ''سبحان ربی الاعلی العلی الوہاب'' سے شروع فرماتے تھے۔(مسند امام احمدؒ ج ۴۔رقم ۱۶۱۱۳،حاکم ۱۸۷۸،ابن ابی شیبہ ۲۶۶/۱۰،کتاب الدعاء للطبرانی رقم ۸۸)۔

(۱) اس حدیث کو امام حاکمؒ نے صحیح کہا اور

(۲) حافظ ذہبیؒ نے ان کی موافقت کی۔(علامہ مناوی نے اس کی تردید کی ہے۔فیض القدیر، ج ۵،ص ۲۷۹)۔

(۳) حافظ ہیثمیؒ فرماتے ہیں '' فیہ عمر بن راشد الیمامی وثقہ غیر واحد و بقیۃ رجالہ رجال الصحیح''۔اس میں ایک راوی عمر بن راشد الیمامی ہے جس کو کئی لوگوں نے ثقہ کہا اور اس (حدیث کے) باقی راوی صحیح کے راوی ہیں۔(مجمع الزوائد، ج ۱۰،ص ۱۷۵،رقم ۱۷۲۶۰)۔

(۴)حافظ سیوطیؒ نے الجامع الصغیر میں اسے صحیح کہا۔(الجامع الصغیر رقم الحدیث ۲۰۴۶)۔
(۵)علامہ عبدالرحمٰن البناء الساعاتی نے اسے صحیح کہا۔(بلوغ الامانی، ج۱۴،ص۲۷۱)۔

مندرجہ بالا ایک دو نہیں، پانچ ائمہ اور علماء کی تصحیح و توثیق پر اگر کوئی اعتماد کرتا ہے تو اس میں اعتراض کی کیا بات ہے؟۔ سلف صالحین کا طریق یہی ہے کہ وہ اپنے متقدمین پر اعتماد کرتے تھے۔ایسا کرنے سے بعض اوقات ان سے غلطی بھی ہوجاتی تھی لیکن اس بنا پر نہ ان پر اعتراض کیا جاسکتا ہے نہ ان پر طعن کیا جاسکتا ہے۔میں ذیل میں چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

(الف) حافظ سخاویؒ لکھتے ہیں۔حدیث تفرق الامة ابوداود و الترمذی و قال حسن صحیح و ابن ماجة عن ابی هریرةؓ رفعه: افترقت الیهود علی احدی او اثنتین و سبعین فرقة ، و النصاری کذلك و تفترق امتی علی ثلاث و سبعین فرقة کلهم فی النار الا واحدة، قالوا من هی یا رسول اللّٰہ؟ قال ما انا علیه و اصحابی(المقاصد الحسنة، ص ۱۷۲، رقم ۳٤۰)۔امت کے فرقوں میں تقسیم ہونے کی حدیث جسے ابوداود اور ترمذی نے روایت کیا ہے،امام ترمذیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے اور اسے ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے حضرت ابوہریرہؓ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہود ۷۱ یا ۷۲ فرقوں میں تقسیم ہوئے اور اسی طرح نصاری بھی اور میری امت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہوگی۔وہ سب جہنم میں جائیں گے سوائے ایک کے''۔صحابۂ کرامؓ نے پوچھا یا رسول اللہ، وہ ایک کونسا ہوگا؟۔آپؐ نے فرمایا ''جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں''۔(المقاصد الحسنہ ۱۷۲)۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کردہ یہ حدیث ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ میں ضرور ہے لیکن ان میں سے کسی ایک کتاب میں بھی یہ الفاظ نہیں ہیں کہ

> ''وہ سب جہنم میں جائیں گے سوائے ایک کے۔صحابۂ کرامؓ نے پوچھا یا رسول اللہ، وہ ایک کونسا ہوگا؟۔آپؐ نے فرمایا ''جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں''۔

بلکہ یہ حدیث مسند امام احمد، ابن حبان، ابویعلی اور حاکم میں بھی ہے۔ان میں سے بھی کسی کتاب میں یہ الفاظ نہیں۔

یہ حدیث ان کتابوں میں مندرجہ ذیل مقامات پر ہے۔(مسند امام احمد ۸۱۹۴، ابوداود ۴۵۹۶، ترمذی ۲۶۴۰، ابن ماجہ ۳۹۹۱) ابن حبان ۶۲۴۷۔حاکم ۴۵۲، ابویعلی ۵۹۱۷ و ۶۱۱۰)۔

حافظ سخاویؒ کے بعد علامہ عجلونیؒ نے بھی حافظ سخاویؒ کی تقلید میں یہی غلطی دہرائی۔(دیکھئے کشف الخفاء، ج۱،ص۱۵۰)۔
ان کے بعد علامہ شوکانیؒ نے بھی یہی غلطی دہرائی۔(دیکھئے الفوائد المجموعہ،ص ۵۰۲)۔
ان میں سے کسی نے یہ تحقیق کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ یہ الفاظ اس حدیث میں ہیں بھی یا نہیں۔سب نے حافظ سخاویؒ پر

اعتماد کرتے ہوئے اس حدیث میں یہ الفاظ نقل کر دیئے۔اور یہاں یہ بات بتانے کی ضرورت نہیں،سب ہی سمجھتے ہیں کہ حدیث میں الفاظ بڑھا دینا کتنا سنگین معاملہ ہے۔لیکن یہاں ہم کسی کو الزام نہیں دے سکتے۔اس لئے کہ انہوں نے نیک نیتی سے، ایک معتبر عالم پر اعتماد کرتے ہوئے ایسا کیا۔

(ب) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بلوغ المرام میں ایک حدیث نقل کی۔ عن ابی هريرةؓ قال قالت خولةُ يا رسول الله فان لم يذهب الدم ؟ قال " يكفيكِ الماء و لا يضركِ اثره " ۔ یہ حدیث نقل کرنے کے بعد حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں اخرجه الترمذی و سنده ضعيف۔ اسے امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔(بلوغ المرام، رقم الحدیث ۳۵)۔

حافظ ابن حجرؒ نے لکھا کہ یہ حدیث ترمذی میں ہے لیکن یہ حدیث ترمذی میں ہرگز نہیں۔

علامہ محمد بن اسمٰعیل الامیر الیمنی الصنعانیؒ نے بلوغ المرام کی شرح لکھی لیکن اس حدیث کی شرح لکھتے ہوئے انہوں نے اس غلطی کی نشاندہی نہیں کی کہ یہ حدیث ترمذی میں نہیں۔ بلکہ حافظ ابن حجرؒ کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے انہوں نے یہ لکھا کہ و كذلك اخرجه البيهقی۔ اور اسی طرح اسے امام بیہقیؒ نے روایت کیا ہے۔(سبل السلام، ج ۱،ص ۵۷)۔گویا انہوں نے حافظ ابن حجرؒ کی بات سے اتفاق کیا۔

شیخ البانی لکھتے ہیں۔و اغتربقول الحافظ هذا جماعة فعزوه تبعاً له الى الترمذی منهم صديق حسن خان فی الروضة الندية (۱/۱۷) و من قبله الشوكانی فی نيل الاوطار۔ حافظ ابن حجرؒ کی اس بات سے ایک جماعت نے دھوکا کھایا۔پس انہوں نے حافظ ابن حجرؒ کی پیروی میں اس حدیث کو ترمذی کی طرف منسوب کیا۔ان میں نواب صدیق حسن خان اور ان سے پہلے علامہ شوکانی شامل ہیں۔(سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ،ج ۱،ص ۵۹۴)۔

دیکھئے کہ حافظ ابن حجرؒ سے ایک غلطی ہوگئی کہ انہوں نے اس حدیث کو ترمذی کی طرف منسوب کر دیا۔ان کے بعد امیر یمانی، قاضی شوکانی اور نواب صدیق حسن خان،سب ان کی پیروی میں اس حدیث کو ترمذی کی طرف منسوب کرتے رہے۔ان سب نے حافظ ابن حجرؒ پر اعتماد کیا اور کسی نے خود تحقیق کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

(ج) ''فجر کی دو اذانیں اور مسئلۂ تثویب'' پر بحث کرتے ہوئے زبیر علی زئی لکھتے ہیں۔''شیخ ثناء اللہ مدنی، شیخ محمد منیر قمر سیالکوٹی اور حافظ عبدالرؤف سندھو نے اس مسئلے میں (شاید) بغیر تحقیق کے شیخ البانی کی پیروی کی ہے۔(فتاویٰ علمیہ، ج ۱،ص ۲۴۸)۔

پس ثابت ہوا کہ معتبر علماء پر اعتماد کرنا کوئی نئی، اجنبی یا قابل اعتراض بات نہیں۔ نہ صرف علماء سلف ایسا کرتے آئے ہیں بلکہ اہلحدیث کے علماء بھی ایسا کرتے آئے ہیں۔تو شیخ الاسلام سید مسعود احمد رحمہ اللہ نے اگر امام حاکمؒ، حافظ ذہبیؒ، حافظ ہیثمیؒ، حافظ سیوطیؒ اور

علامہ عبدالرحمٰن البناء الساعاتیؒ جیسے جید ائمہ اور علماء کی تحقیق پر اعتماد کیا تو کو نسا عجیب کام کیا؟۔

(۴) اب ہم اس حدیث کے راوی ''عمر بن راشد الیمانی'' کے متعلق مختصراً عرض کرتے ہیں۔اس راوی کو کچھ ائمہ نے ثقہ کہا ہے اور کچھ نے اسے ضعیف کہا ہے۔لہٰذا یہ راوی مختلف فیہ ہے۔

اسے امام یحییٰ بن معینؒ، امام ابوداودؒ، امام نسائیؒ، امام دارقطنیؒ وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں اس کی حدیث حسن ہے۔(تنقیع التحقیق)۔

حافظ ہیثمیؒ لکھتے ہیں " وثقه غير واحد" اس کو کئی لوگوں نے ثقہ کہا ہے۔(مجمع الزوائد، ج ۱۰،ص ۱۷۵)۔

امام عجلیؒ نے کہا " ليس به باس"۔اس میں کوئی خرابی نہیں ہے۔(تہذیب التہذیب، ج ۴،ص ۲۸۰)۔

مستدرک حاکم کے محقق لکھتے ہیں "و قد وثق و ضعف" اس کی توثیق بھی کی گئی ہے اور تضعیف بھی۔(حاکم، ج ۲،ص ۱۷۱)۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس راوی کی توثیق وتضعیف میں ائمہ کے درمیان جو اختلاف ہے اس کو دور کرنے کے لئے سیدنا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی بات قول فیصل ہے۔امام بخاریؒ فرماتے ہیں '' حديثه عن يحيى مضطرب ليس بالقائم" اس کی حدیثیں جو اس نے یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت کی ہیں وہ مضطرب ہیں، قائم نہیں ہیں۔(تہذیب التہذیب)۔امام بخاریؒ کی اس بات کی تائید امام احمدؒ کے قول سے بھی ہوتی ہے۔امام احمدؒ فرماتے ہیں ''حدث عن يحيى بن ابى كثير باحاديث مناكير"۔اس نے یحییٰ بن ابی کثیر سے منکر احادیث روایت کی ہیں۔(تہذیب التہذیب)۔

امام احمد اور امام بخاری رحمہما اللہ کے مندرجہ بالا اقوال کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ عمر بن راشد نے جو احادیث یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت کی ہیں وہ ضعیف ہیں۔اس طرح ائمہ کرامؒ کے اقوال میں جو تعارض ہے وہ بھی رفع ہو جاتا ہے۔

واضح ہو کہ عمر بن راشد الیمامی نے حدیث زیر بحث یحییٰ بن ابی کثیر سے نہیں روایت کی بلکہ ایاس بن سلمہ بن اکوع سے روایت کی ہے۔لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ امام حاکمؒ، حافظ ذہبیؒ، حافظ ہیثمیؒ، حافظ سیوطیؒ وغیرہ نے جو اس حدیث کی تصحیح کی ہے وہ درست ہے۔

(۵) اگر ہم اس حدیث کو ضعیف مان بھی لیں تب بھی اس سے سید مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مقام ومرتبہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس لئے کہ آپ نے یہ حدیث علامہ عبدالرحمٰن الساعاتی پر اعتبار کرتے ہوئے اور ان سے حسن ظن رکھتے ہوئے نقل کی۔اور علماء ایسا کرتے رہتے ہیں جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا۔

(٦) منہاج المسلمین کے مقدمہ میں سید مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا تھا ’’قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر وہ اس کتاب میں دیکھیں کہ کسی ضعیف حدیث سے استدلال کیا گیا ہے تو اس کی نشاندہی فرمائیں ۔۔۔تا کہ آئندہ اشاعت میں اصلاح کر دی جائے‘‘۔ منہاج المسلمین کی اولین اشاعت ۱۹۸۳ء میں ہوئی تھی۔ اگر سید مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں اس روایت کے ضعف کی نشاندہی کر دی جاتی تو ممکن ہے کہ وہ اس حدیث کو منہاج سے خارج کر دیتے۔ جیسے اور
حدیثوں کو خارج کیا۔ مثلاً

(۱)لعن اللّٰہ علی لسان محمدصلی اللّٰہ علیه و سلم من قعد وسط الحلقة۔

(۲) لا ابایعك حتی تغیری كفیك۔

لیکن اُس وقت کسی نے اس روایت کے ضعف کی نشاندہی نہیں کی۔ ہوسکتا ہے کہ موجودہ معترض صاحب اس وقت علمی طور پر بالغ نہ ہوں لیکن ان کے فرقے میں اس وقت کوئی تو صاحب علم ہوگا۔ لیکن کسی نے یہ زحمت گوارا نہیں کی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اس معاملے کو کوئی اہمیت نہیں دی اور اسے درخور اعتنا ہی نہیں سمجھا۔ اور یہی بات درست بھی ہے۔ کیونکہ روایات کی تصحیح وتضعیف میں ائمہ کے درمیان اکثر اختلاف ہو جاتا ہے۔ لیکن اس اختلاف کی بنا پر کسی کو الزام دینا مناسب رویہ نہیں ہے۔